مولانا الطاف حسین حالیؔ اور اودھ پنچ

Moulana Altaf Hussain Hali and Owdh Punch

گل احمد

پی۔ایچ۔ڈی سکالر شعبہء اردو،
علامہ اقبال اوپن، اسلام آباد

Abstract;

Hali is a renowned writer and modern poet of contemporary Urdu literature.First benefited from Ghalib and then Shaifta. After that he started working for Punjab Book Depot and after he became indirectly acquainted with English literature and Western ideas. At the same time, Hali become important member of the Syed movement. Sir Syed's innovative and modern approach, Shifta's simplicity and affiliation with the Punjab Book Depot gave a new impetus to the Hali's thinking.Hali tried to innovate in both poetry and prose. The traditionalist class began to dislike this current modern and intellectual endeavor. One of these resistant elements was Owdh Punch.The newspaper's ideology was to oppose the Syed movement. As Hali was an important intellectual member of the Syed movement, this newspaper kept the front against Hali hot for a long time. From the Musaddas to the publication of the Dewan, every creative work of Hali was well received by the arrows of satire by Owdh Panch.Hali had sharply criticized the Lucknow poetry. The writers of Owdh Panch took great revenge on Hali for the above two reasons and criticized Hali's poetry and thought with various tactics.The article under review is based on a critique of Owdh Punch on Hali.

کلیدی الفاظ۔ لندن، سپیکٹیٹر، سر سید، اکبر، منشی سجاد حسین، لکھنو، سر سید مفکر مخالف زاویہ

ہفت روزہ "اودھ پنچ" کا آغاز ۱۶ جنوری ۱۸۷۷ء کو ہوا(۱)۔ جس طرح لندن جا کر سر سید "سپیکٹیٹر" اور "ٹیٹلر" رسالوں سے متاثر ہوئے اور واپس آ کر "تہذیب الاخلاق' جاری کیا؛ اسی طرح منشی سجاد حسین کو "پنچ" لندن کی طرح ایک مزاحیہ وطنزیہ رسالہ نکالنے کا خیال آیا جس کا مقصد معاشرے کی اصلاح تھا۔ سر سید جدید تہذیب کے دل دادہ تھے اور اس کی ترویج و ترقی کے لیے کوشاں تھے جب کہ "اودھ پنچ" اور اس کے لکھاری پرانی تہذیب کو برقرار رکھنے پر مُصِر تھے۔ چکبست لکھنوی اس کے دائرہء کار پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اودھ پنچ گو کہ ظرافت کا پرچہ تھا مگر پولی ٹیکل اور سوشل معرکہ آرائیوں سے بے خبر نہ تھا۔ اس کا مستقل سوشل اور پولی ٹیکل مسلک تھا..... ظرافت کے اعتبار سے یہ اپنے رنگ کا پہلا پرچہ تھا..... اودھ پنچ ظرافت کا سرچشمہ تھا اور عام طور سے لوگ اس کے فقروں اور لطیفوں پر لوٹ رہتے تھے جو پھبتی اس میں نکل جاتی، وہ مہینوں زبان پر رہتی تھی۔(۲)

اودھ پنچ" خبر نامہ نہیں تھا بل کہ خبروں پر اپنے نقطہ نظر سے رائے دینے والا اخبار تھا۔ رائے کے اظہار میں طنز و مزاح کے ہتھیاروں سے کام لیا جاتا تھا۔ اردو زبان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا مزاحیہ و فکاہیہ اخبار تھا جس نے اردو صحافت میں دور رس اثرات چھوڑے ہیں۔ آج بھی اخبارات اس کی تقلید میں اسی طرح خبروں پر اپنی طنزیہ و مزاحیہ رائے دیتے نظر آتے ہیں۔ اس عہد میں بھی اس نے اخبارات کو متاثر کیا اور انیس ویں صدی میں ہندوستان کے طول و عرض میں ۸۲ شہروں میں ۷۰ پنچ اخبارات منظرِ عام پر آئے۔ مواد، اسلوب اور پالیسی کے اعتبار سے ان میں کمال مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

> "منشی سجاد حسین مرحوم نے لکھنؤ سے ۱۸۷۷ء میں "اودھ پنچ" نکال کر ہندوستانی اخبار نویسی اور ادب اردو پر احسانِ عظیم کیا۔ نثر کی ایک خاص شان پیدا کی، مذاق و ظرافت جس سے اب تک ہمارا ادب خالی تھا؛ داخلِ نثر ہوئے؛ زبان میں بلیغ الفاظ شامل کر کے گراں قدری پیدا کی؛ پر زور طریقہ سے کتابوں کی تنقید کی؛ ناول نویسی میں ترقی کی۔(۳)

طنز و ظرافت کے میدان میں اور دیگر ادبی خدمات میں "اودھ پنچ" کی اہمیت مسلّم ہے مگر کبھی کبھی یہ اخبار طعن و تشنیع اور ذاتی حملوں پر بھی اتر آتا تھا۔ "فسانہء آزاد"، حالیؔ، داغ اور گل زارِ نسیم کے متعلق لکھے گئے مضامین میں ظرافت اور طنز و مزاح کی بجائے پھکڑ پن کا رنگ نمایاں نظر آتے ہیں مگر لکھنوی معاشرت کی جس طرح انتہائی دل کش انداز میں اس نے تصویر کشی کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ لکھنؤ کی معاشرتی زندگی کی جیتی

جاگتی تصاویر مثلاً محرّم، چہلم، عید، بقر عید، شبِ برات، ہولی، دیوالی، بسنت، عیش باغ کے میلے، ناچ رنگ کے جلسے اور دعوتیں، مشاعرے، اجلاس ہائے عدالت، مرغ و بٹیر کی بالیاں وغیرہ کی خوب صورت مرقّع نگاری نظر آتی ہے۔

"اودھ پنچ" چوں کہ سرسید کی فکر کا مخالف زاویہ تھا؛ اس لیے سرسید تحریک سے وابستگی "اودھ پنچ" کی دشمنی کے مترادف تھی۔ حالیؔ چوں کہ سرسید تحریک کے ادبی محاذ کے سرگرم رکن تھے اور مروّجہ ادب کے خلاف نئی فکر کے خُوگر تھے جس کے سوتے مغربی تہذیب و ادب سے پھوٹتے تھے؛ اس لیے "اودھ پنچ" نے مہینوں حالیؔ کو اپنے حملوں کی زد میں رکھا۔ علاوہ ازیں سرسید کو "پیرِ نیچر" کا خطاب بھی اسی اخبار نے دیا تھا۔ اس اخبار کی پالیسی میں سرسید کی مخالفت، کانگریس کی حمایت، انگریز دشمنی، طنز و مزاح کے ذریعے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کا طریقہ شامل تھا۔ اس میں لکھنے والوں میں منشی سجاد حسین، مرزا مچھو بیگ ستم ظریفؔ، احمد علی شوقؔ، پنڈت تربھون ناتھ ہجرؔ، نواب سید محمد آزادؔ، بابو جوالا پرشاد برقؔ، منشی احمد علی کسمنڈوی اور اکبرؔ الٰہ آبادی جیسے نام ور لوگ شامل تھے۔

منشی سجاد حسین [۱۸۶۵ء۔۱۹۱۵ء] اودھ پنچ کے بانی، مالک، منتظم اور مدیر تھے لکھنو کے ایک گاؤں کاکوروی میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۷۸ء میں کانگریس میں شامل ہوئے اور ساری عمر اسی سے وابستہ رہے۔ یہ اپنی تہذیب کو مغربی تہذیب سے بہتر سمجھتے تھے اور ساتھ ہی انگریزوں اور ان کی حکمتِ عملیوں کے بھی زبردست مخالف تھے۔ طنز و مزاح کے لبادے میں ایسی تحریریں رقم کرتے کہ بات عام لوگوں تک پہنچ بھی جائے اور پریس ایکٹ کی زد میں بھی نہ آئے۔ یہ انتہائی مشکل اور عقل مندی کا کام تھا جو انھوں نے کر دکھایا۔ منشی سجاد حسین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے گرد ایک ایسی ٹیم جمع کر لی تھی جو "اودھ پنچ" کو ایک نامی گرامی اخبار بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔ ان کی تحریر سب سے الگ اور منفرد تھی اور ہر شمارے میں باقاعدگی سے ان کی تحریریں شامل ہوتی تھیں۔ ان کے مضامین چھوٹے چھوٹے لطائف اور چٹکلوں کا مجموعہ تھے۔ عبارات میں پے چیدہ استعاروں کی کثرت ہوتی تھی مگر بیان کی تازگی قاری کو لطف عطا کرتی تھی۔ اودھ پنچ کے مضامین کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ دنیا کا کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جو اودھ پنچ کے ظریفوں کی گل کاری سے خالی رہتا ہو: منشی سجاد حسین "لوکل علیہ الرحمتہ" کے نام سے ہر ہفتے مضمون لکھتے تھے جس کو پڑھ کر قاری خوب حظ اٹھاتا اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ آپ نے اودھ پنچ میں سیکڑوں مضامین تحریر کیے اور اس کے علاوہ سات ناول بھی لکھے جن میں: سرگزشتِ حاجی بغلول، احمق الذین، پیاری دنیا یعنی افسانۂ گیتی، بیگم و طالب، طرح دار لونڈی، میٹھی چھری، کایا پلٹ اور دھوکا یا طلسم دنیا۔

"اودھ پنچ" میں لکھنے والوں میں دوسرا نام مرزا مچھو بیگ ستم ظریف[۱۸۳۱ء۔۱۸۹۴ء]کا (۴) ہے۔ اودھ پنچ میں لکھے گئے ان کے مضامین دل چسپ، مزاحیہ اور طنزیہ نوعیت کے ہیں، جن میں وہ زیادہ تر سماجی مسائل کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ ان کی نثر شگفتہ، بامحاورہ، سلیس اور رواں ہے۔ روز مرّہ محاورے اور مثلوں کا بر محل استعمال ان کی نثر کی انفرادیت ہے۔ حسرت موہانی ان کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "سادگی اور صفائی حضرت عاشق [ستم ظریف] کا خاص جوہر ہے جس کی سلاست میں اردو محاوروں کو آپ اکثر دل پذیری کی اس بے تکلّف شان کے ساتھ جلوہ گر کرتے ہیں کہ انصاف کی نظر داد دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔(۵)

جوالا پرشاد(۶)[۱۸۶۳ء۔۱۹۱۱ء] بھی اودھ پنچ کے ایک اہم لکھاری تھے۔ ان کے اسلوب میں شگفتہ پن، برجستگی اور روانی ہے۔ واقعیت کا عنصر زیادہ نمایاں ہے۔ ان کی تحریروں میں ذہانت، علمیت اور تنقیدی شعور بھی موجود ہے اور نئی رجحانات کے بھی داعی نظر آتے ہیں۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجر(۷)[۱۸۵۳ء۔ ۱۸۹۲ء]نے اودھ پنچ میں کئی مضامین لکھے۔ ان کو شہرت انھی مضامین کی بدولت ملی۔ لکھنویت ان کی تحریروں کا خاصہ تھی۔ اپنی مضمون نگاری کے لیے اس زبان کا انتخاب کیا جو بول چال سے جڑی ہوئی تھی۔ نواب سید محمد آزاد(۸)[۱۸۴۶ء۔۱۹۱۶ء]نے اودھ پنچ میں "نوابی دربار" کے نام سے ایک قسط وار ڈراما لکھا جو ۱۶، اپریل۱۸۷۸ء سے جولائی۱۸۷۸ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ ان کے مضامین: ڈکشنری، مہذب نامہ و پیام اور سوانح عمری مولانا آزاد نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔ انھوں نے طنز و مزاح کی نئی تکنیک اور ہیئتیں استعمال کیں۔ کچھ مضامین "خط" کی صورت میں لکھے؛ کچھ مضامین میں لغت نویسی" کی تکنیک استعمال کی اور کچھ "اشتہار" کے انداز میں لکھے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار(۹) [۱۸۴۶ء۔۱۹۰۲ء] ایک نام ور ادیب اور ناول نگار تھے۔ ان کے عہد میں اودھ اخبار اور اودھ پنچ میں معرکہ آرائی ہوئی جو کافی عرصہ جاری رہی۔ اودھ پنچ، اودھ اخبار اور اس کے مدیر کو طنزیہ و مزاحیہ انداز میں صلوٰتیں سناتا اور اس کا جواب بھی پاتا تھا۔ آخر کچھ عرصے کے بعد فریقین میں صلح ہوئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ سرشار ان دو مباحثوں میں شریک ہوئے۔ ایک بیان یزدانی میرٹھی ایڈیٹر "طوطی ہند" اور دوسرا خواجہ الطاف حسین حالی کے ساتھ۔

اکبر الٰہ آبادی [۱۸۴۶ء۔۱۹۲۱ء] شروع ہی سے "اودھ پنچ" سے منسلک تھے۔ نثری مضامین کے ساتھ نظمیں بھی لکھیں۔ "اودھ پنچ"" اور اکبر الٰہ آبادی کے افکار و نظریات میں مماثلت تھی اس لیے اکبر الہ آبادی اودھ پنچ کے لیے مستقل لکھتے رہے۔ سید مصباح الحسن قیصر لکھتے ہیں:

"سیاسی اور تہذیبی نقطہ ءنظر سے بھی "اودھ پنچ" اکبر کے خیالات و عقائد سے مطابقت رکھتا تھا لہٰذا اکبر بھی اودھ پنچ کے مذاق و رجحان کے گرویدہ ہو گئے۔ اودھ پنچ سے ان کی شہرت اور مقبولیت میں دن دونی، رات چوگنی ترقی ہوتی گئی۔(۱۰)

اکبر قدیم تہذیب کے دل دادہ تھے اور اس کو مٹتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان کو اپنی تہذیب سے عشق تھا اس لیے جب مغربی تہذیب نے اس تہذیب کو مٹانے کی کوششوں کا آغاز کیا تو اکبرؔ طنز و مزاح، چوٹ اور تحریف نگاری کے آلاتِ حرب سے اس تہذیب سے نبرد آزما ہوئے اور شاعری کے ذریعے ان ہتھیاروں سے مغربی تہذیب کی کی خوب خبر لی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نکتے پر "اودھ پنچ" اور ان کے درمیان مکمل ہم آہنگی نظر آتی ہے اور یہی وہ ہم آہنگی تھی جس کی بنیاد پر اکبرؔ نے اودھ پنچ میں لکھنا شروع کیا۔ جب حالیؔ نے نعرہ لگایا:

حالیؔ! اب آؤ پیرویِ مغربی کریں　　بس اقتدائے مصحفیؔ و میرؔ کر چکے (۱۱)

تو اکبرؔ نے اپنا نقطہ ءنظر کچھ یوں بیان کیا:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں　　اکبرؔ زمین میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟　　کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا(۱۲)

اودھ پنچ" سرسید تحریک سے اختلاف رکھتا تھا اس لیے تحریک سے وابستہ ہر شخص ان کے نشانے پر رہا۔ ان میں حالیؔ کو سب سے زیادہ خصوصیت حاصل ہے۔ اس کی ایک وجہ تو سرسید تحریک سے وابستگی تھی اور دوسری وجہ حالیؔ کی لکھنوی زبان پر تنقید اور اس کی مروّجہ شاعری سے انحراف برتنا تھا۔ حالیؔ لکھتے ہیں:

"جو لوگ اپنے تئیں اردو زبان کا مالک سمجھتے ہیں یعنی اہلِ دہلی یا اہلِ لکھنؤ ان کو اس بات پر فخر کرنا نہیں چاہیے کہ ہماری زبان کا لوگ اتباع کرتے ہیں۔..... ان کی زبان کا وہ حصّہ جس پر ان کو فخر ہے اور جو ان کی اور تمام ہندوستان کی اردو میں مابہ الامتیاز ہے۔ وہ حرفِ غلط کی طرح صفحہ ءروزگار سے محو ہو جائے گا اور یہی بُری بھلی اردو جو عام اخبارات اور جدید تصنیفات کے ذریعے سے ملک میں پھیل رہی ہے اور جس کو وہ اب تک حقارت کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ نصف صدی میں یہی ملک کی ٹکسالیؔ اور فصیح زبان قرار پائے گی۔..... اردو پر قدرت حاصل کرنے کے لیے صرف دلی یا لکھنؤ کی زبان کا تتبع کافی نہیں ہے..... اہلِ لکھنؤ جو زبان کے دائرہ کو روز بروز تنگ کرتے جاتے ہیں۔"(۱۳)

اس کے علاوہ غزل کی اصلاحی تجاویز میں بھی حالیؔ نے بالواسطہ یا بعض جگہ براہِ راست لکھنؤ کے شعرا کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ مبالغہ آرائی، صنائع بدائع، فحش گوئی، قافیہ پیمائی اور سنگلاخ زمینوں پر غزل کی عمارت کی تعمیر ایسی خصوصیات تھیں جو اہلِ لکھنؤ کے مزاج کا حصہ تھیں۔ اس کے علاوہ حالیؔ کی شاعری اور خاص طور پر مسدس کی اشاعت نے اہلِ لکھنؤ کو آگ بگولہ کر دیا جس میں حالیؔ نے کہا تھا:

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
زمین جس سے ہے زلزلہ میں برابر ملک جس سے تھرّاتے ہیں آسمان پر
ہوا علمِ دیں جس سے تاراج سارا وہ ہے علموں میں علمِ ادب ہمارا(۱۵)

اسی طرح ایک قطعے "شعر کی طرف خطاب" (۱۶)میں بھی اپنا نظریہء شاعری پیش کر کے لکھنووالوں کی مزید دشمنی لے لی۔اس قطعے میں حالیؔ نے اپنا شعری نظریہ کھل کر بیان کیا او راپنے اشعار کی خوبیوں کو بھی گنوایا اور دوسروں کو بھی اس نئی راہ پر چلانے کی تلقین کی۔ حالیؔ کی اس قسم کی شاعری اور تلقین لفظی شعبدہ بازوں کے لیے موت کا پیام تھی۔ ان کو حالیؔ کی یہ بات ادبی گم راہی معلوم ہوئی۔ ان کی شاعری کا سارا دارومدار انھی عناصر پر تھا جن کی حالیؔ نے مذمت کی تھی۔ حالیؔ اپنے مقدمہ میں بھی لکھنوی زبان وادب پر تنقید کے نشتر چلا چکے تھے۔ پھر مسدس کی اشاعت ہوئی اوپر سے یہ قطعہ ان پر بجلی بن کر گرا اور مخالفت کا ایک طوفان اٹھا جس کا مرکز لکھنؤ قرار پایا۔اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کشن پرشاد لکھتے ہیں:

"مولانا حالیؔ نے اپنے مقدمے میں مصنوعی اور خلافِ فطرت شاعری کی جس قدر مثالیں دی ہیں؛ان کا کثیر حصہ لکھنؤ کے شعرا کے کلام سے لیا تھا جس کا لازمی منشا اودھ پنچ کے نزدیک یہ تھا کہ لکھنؤ کے شعرا کی توہین ہے۔ان خیالات کا دلوں میں امنڈنا تھا کہ دیوان اور مقدمہ کے ایک ایک شعر اور ایک ایک سطر پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔"(۱۷)

حکیم ناطق لکھنوی کا مؤقف اس سے مختلف ہے؛ان کا کہنا ہے کہ اس معرکہ آرائی کی ابتدا لکھنؤ سے ہوئی اور اس کے بعد حالیؔ نے بہ طور انتقام لکھنوی شاعری کے معائب گنوائے:

"لکھنؤ کے کسی ناعاقبت اندیش[عاقبت نااندیش] نے ان کی شاعرانہ غلطیاں شائع کیں، اس کے بعد سے حالیؔ نے شعرائے لکھنؤ، سے خوب خوب انتقام لیا۔ تمام لکھنؤ کے لیے لکھ دیا کہ رعایتِ لفظی اور مذاق سوقیانہ پر لکھنؤ کے شعرا کا دارومدار ہے۔ ان کے حامی مقلدوں نے جو شعر و شاعری سے ناواقف ہیں اور اردو شعر پر تبصرہ و تذکرہ کے مدعی ہیں؛ آنکھ بند کر کے حالیؔ کی نقل کر لی حالاں کہ کسی شہر میں شاعری کے اتنے رنگ نہیں جتنے لکھنؤ میں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ لکھنو میں تمام ہندوستان کے تمام اہلِ کمال جمع ہوئے جو ایک دوسرے سے مختلف مذاق کے تھے۔"(۱۷)

حالیؔ کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات ممکن القیاس نہیں لگتی۔ حالیؔ ایسی طبیعت کے مالک ہی نہیں تھے کہ وہ انتقاماً ایسا کرتے۔ انتقام تو دور کی بات ہے۔ حالیؔ اپنے اوپر کیے گئے اعتراض کا جواب بھی نہیں دیتے تھے اس لیے حکیم ناطق لکھنوی کی یہ بات درست نہیں لگتی۔ حالیؔ نے اپنے مقدمے میں مصنوعی اور خلافِ فطرت شاعری کی زیادہ تر مثالیں لکھنؤ کے شعرا کی دی تھیں اس لیے اودھ پنچ کی مخالفت کی یہی وجہ بنی۔ اودھ پنچ

کے خیال کے حامی دوسرے اخبارات بھی تھے جو حالیؔ کی شاعری کو تنقید کا نشانہ بناتے رہے اور ان کی ہجویہ خبریں شائع کرتے رہے۔ دہلی کے ایک مشاعرے میں مولانا حالیؔ نے غزل کی بجائے ایک قطعہ سنایا تو اس کی خبر کچھ انداز سے لگائی گئی:

"مولوی الطاف حسین حالیؔ نے کوئی غزل نہیں لکھی بل کہ غزل نہ لکھنے کا عذر ایک قطعہ میں بیان کیا ہے جس کو سُن کر میر مشاعرہ نے ان کو غزل پڑھنے سے معذور کہا؛ قطعہ یہ ہے:

ہوئی ریعانِ جوانی کی بہار آخر حیف طبع رنگیں تھی مئے عشق کی جب متوالی"(۱۸)

اس قطعے میں حالیؔ نے غزل کی مصنوعی اور جھوٹ آمیز شاعری پر تنقید کی ہے اس لیے غزل کے رسیا کہتے ہیں کہ ہم ان کو شاعر نہیں سمجھتے، زبان دان نہیں جانتے۔(۱۹) حالیؔ کی مخالفت میں کئی اخبارات پیش پیش رہے مگر اودھ پنچ ان سب میں سے آگے تھا۔ اس میں لکھنے والے ادیب تمام کے تمام باکمال اور بہترین مزاح نگار تھے اس لیے ان کے اعتراضات میں وزن کے ساتھ ادبی شان بھی موجود تھی۔ طنز و مزاح کے تیر ایسے چلائے کہ زخم خوردہ بھی مسکرانے پر مجبور ہو جاتا۔

۱۸۹۳ء میں دیوانِ حالیؔ کے شائع ہوتے ہی اودھ پنچ نے ایک طوفان کھڑا کر دیا اور ظرافت کے پیرائے میں مخالفت اس طرح کی کہ ایک نیا مزاحیہ و طنزیہ ادب ردِّ عمل کے طور پر وجود میں آیا۔ ایک عرصے تک اودھ پنچ پر یہ شعر شائع ہوتا رہا:

ابتر ہمارے حملوں سے حالیؔ کا حال ہے میدانِ پانی پت کی طرح پائمال ہے

اس کے علاوہ درج ذیل شعر بھی لکھ کر اعتراضات کیے جاتے رہے:

آئینہ ہے سب حالتِ حالیؔ مرے آگے چلنے کی نہیں خام خیالی مرے آگیا(۲۰)

مسدسِ حالیؔ ۱۸۷۹ء میں چھپی۔ اس سے پہلے حالیؔ مختلف مضامین دیباچوں میں اپنے تنقیدی خیالات پیش کر چکے تھے جن پر پہلے بھی اعتراضات صادر کیے گئے تھے مگر مسدّس کی اشاعت سے یہ سلسلہ زیادہ شدت سے اُبھرا اور مسدس کے متعدد جواب لکھے گئے۔ اس کے علاوہ حالیؔ کی ان تمام نظموں پر بھی اعتراضات کیے گئے جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں یا کسی اور جلسے میں پیش کی گئی تھیں۔ سرسید سے وابستگی نے حالیؔ کی مخالفت کو اور زیادہ بھڑکایا۔ اکبرؔ الٰہ آبادی جیسا شخص بھی اس انداز میں چھبتی کستا رہا:

بالے میاں کا حالی ڈفالی سے پوچھیے سید کی سرگزشت کو حالیؔ سے پوچھیے(۲۱)

حالیؔ کے نقطہ نظر کے مخالفین نے اودھ پنچ کے ذریعے خوب گولہ باری کی۔ عجیب و غریب قلمی ناموں سے ادبی سنگ باری شروع ہوئی۔ ان میں مسٹر شوخ ظریف، جادو رقم، حضرت دم باز، بے پینک کا افیونی۔ اللہ کا بندہ، م۔ب علیہ الرحمہ، پیر نیچر، درویش صفت باش کلاہ تنزی دار، مرزا لاُبالی، الانسان ضاحک، تقلید ہم درد،

مسٹر لافر، چشتیہ گولگانیہ بندہ لشکری مصلح و مجدد زبانِ اردو، نشتری، مسخر الدولہ بہادر، خروس الدولہ، نظر باز اور مولانا حالیؔ کا ظاہر میں شاگرد مگر باطن میں استاد شامل تھے۔ ان سب کا نشانہ مولانا حالیؔ ہے۔ یہ پانی پت کے میدان کی چوتھی لڑائی ہے جو ادبی محاذ پر لڑی گئی۔ اسد ملتانیؔ نے "پانی پت" کی چوتھی لڑائی" کے عنوان سے ایک نظم لکھی جو کہ درج ذیل ہے اور اس ساری صورتِ حال کی خوب صورت عکاسی کرتی ہے:

خداوند آفاق نے پانی پت کی ایسی ساعت میں بنیاد ڈالی
کہ ہوتی رہیں اس میں اکثر لڑائی نہ گذرا کوئی دور جنگوں سے خالی
ہیں مشہور اس میں تین خوں ریز جنگیں ہے اوراقِ تاریخ پر جن کی لالی
ہوئی ان کے بعد ایک چوتھی لڑائی مگر یہ لڑائی تھی سب سے نرالی

ادھر قوم کی گمرہی اور شقاوت اُدھر اک مجاہد کی شانِ جمالی
ادھر قومِ غافل کی ہر گونہ پستی ادھر ایک مصلح کے افکارِ عالی
ادھر قوم پر خوابِ غفلت کا غلبہ ادھر شاعرِ قوم کی زار نالی
لادھر طعن و تشنیع کے تیر و نشتر ادھر تلخ کامی میں شیریں مقالی
ادھر ایک بگڑی ہوئی قومِ ناداں ادھر محوِ فریاد بے چارا حالیؔ
اسد یہ کرشمہ تھا صدق و صفا کا کہ اک فرد نے قوم پر فتح پالی(۲۲)

حالیؔ کے خلاف یہ جنگ کئی برسوں تک جاری رہی؛ اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں:

"جب ۱۹۹۳ء میں دیوان اور مقدمہ شعر و شاعری شایع ہوا تھا تو اس نے پرستارانِ طرزِ قدیم کے خرمنِ عقل و ہوش پر بجلی کا کام کیا۔ وہ اپنے آپے میں نہ رہے اور نہایت خلافِ تہذیب اور بازاری الفاظ میں مولانا کو کوسنا شروع کیا۔ دیوان اور مقدمہ کی ایک ایک سطر پر فضول اور لایعنی اعتراضات کی بارش شروع کر دی اور مدتوں نہایت استقلال کے ساتھ اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اودھ پنچ لکھنؤ میں جو سلسلہ اعتراضات ۳۳ مہینے تک شایع ہوتا رہا۔(۲۳)

حالیؔ ان تمام حملوں کا جواب خاموش رہ کر دے رہے تھے۔ آخر کار حالیؔ کی خاموشی نے ان حملہ آوروں کو خاموش کرا دیا۔ حالیؔ نے سرسیدؔ کی اصلاحی تحریک سے متاثر ہو کر کئی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ مخالفین حالیؔ کے لیے یہ ناقابلِ برداشت امر تھا کہ حالیؔ ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ اس لیے اسی اصلاحی کوششوں کے نتیجے میں حالیؔ ایک مضمون "مسلمانوں میں مسئلہ خیرات" لکھا جو کلیاتِ نثر حالیؔ کی جلد اوّل میں موجود ہے۔ گداگری کی مذمت میں لکھا گیا یہ مضمون اودھ پنچ کے نشانے پر آیا تو اودھ پنچ نے اس کو ایک مقدمے کی شکل

میں پیش کر کے طنز و مزاح کا ایک نیا رجحان متعارف کروایا۔ اس مضمون پر "گروہ گداگراں" نے حالیؔ پر مقدمہ دائر کر دیا۔ ان کا بیان رقم کیا گیا، پھر جرح ہوئی اور ان کے خلاف فیصلہ بھی ہو گیا۔ اس مقدمے کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

گروہ گداگراں بہ نام منشی نیاز احمد مؤلف رسالہ خیر اتا ظہار مولوی الطاف حسین حالی بحلف

بیان کیا کہ میں قوم کا لیڈر ہوں۔ منشی نیاز احمد صاحب میرٹھی نے جو رسالہ خیرات کے نام سے جاری کیا، اسمیں ایک مضمون میرا بھی شامل ہے۔ چناں چہ میں اس کی تائید میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سوال کرنے پر اس قدر لے دے کی ہے کہ بے شمار مرفوع حدیثیں سوال کرنے کی مذامت کے متعلق کتب احادیث میں موجود ہیں مگر غیر مستحق سائلوں کا سوال پورا کرنے کی مدح ہا ذمّ کہیں صراحت کے ساتھ نہیں فرمائیں۔ حالی کے بیان کے بعد جرح شروع ہوتی ہے:

وکیل مدعی: مولوی صاحب یہ تو فرمایے کہ آپ کو مسلمانوں کی قوم کب سے اپنا لیڈر مانتی ہے؟

مولانا حالیؔ: میں اعلا درجہ کا شاعر ہو، لوگ مجھے سعدی ہند کہتے ہیں، میں نے بہت سی قومی نظمیں لکھی ہیں۔

وکیل مدعی: تو گویا محض شاعر ہونے کی وجہ سے آپ لیڈر شمار کیے جاتے ہیں نہ کہ بہ حیثیت عالمِ دینیہ ہونے کے۔

مولانا حالی: میری توقیر و عزت کا بڑا سبب تو یہی ہے مگر میں دینی مسائل سے بھی پورے طور پر واقف ہوں۔

وکیل مدعی: آپ نے آج تک جو کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں ایسی کتنی کتابیں ہیں جو علومِ دینیہ پر لکھی گئی ہیں؟

مولانا حالی: میری تصنیفات میں زیادہ تر سوانح عمریاں اور شعر و شاعری کی کتابیں ہیں، دینی مسائل میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

یہ تھی جرح جو حالیؔ پر کی گئی اور ساتھ ہی حاکم اور حالیؔ نے بھی دست خط کر دیے۔ اظہار ایڈیٹر البشیر گواہ ثانی بحلف اور اظہار محمد یعقوب علی بی اے گوں ثالث بحلف ہو گیا۔ ان دونوں گواہوں کے بعد حاکم نے یہ فیصلہ سنا دیا۔

فیصلہ عدالت:

"مدعا علیہ اور اس کا طرف دار گروہ سب علم سے نا آشنا ہیں۔ خود مولوی الطاف حسین حالیؔ باوجود مولوی مشہور ہونے کے علمِ دین سے کچھ زیادہ تعلق نہیں رکھتا۔ ان لوگوں نے جو یہ چال چلی ہے وہ محض علی گڑھ کالج کو خیالی نفع پہنچانے کی غرض سے کی۔ حکم ہوا کہ:

مدعا علیہ مذکور ہمیشہ بقید حیات رہے

راقم وجاہت صدیقی جھنجھانوی "(۲۴)

اس سارے مقدمے میں مولانا حالیؔ کی شاعری، قیادت اور مولویت کا خوب مذاق اُڑایا گیا۔ حالیؔ پر طعن و تشنیع کی یہ ایک ہلکی سی تنقیدی ضرب تھی جو اودھ پنچ نے لگائی۔ اسی طرح کی کئی ضربیں اور طنز و مزاح کے تیر حالیؔ کی ذات، شخصیت، ان کی شاعری اور علمیت پر برسائے گئے۔ حالیؔ نے جس طرح ایک "آل نامہ" مرتب کرنے کا آغاز کیا تھا؛ بالکل اسی انداز کا تتبع کرتے ہوئے حکیم ابوالمجدد دیسنوی بہاری نے "نیچرل الفاظ" کی تشریح بلند پروازی سے کی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نیچرل شاعر: وہ جو عروض سے نابلد ہو، قوافی سے انجان ہو مگر ان لن ترانی کے میدان میں شیر زمان اور ایجاد گندہ پر نازاں۔

نیچرل نثاری: وہ جس کی بناوٹ حسن فروشوں کی کشش رکھتی ہو۔ ٹھیٹھ ہندی کی بھرمار اور غیر مانوس لفظوں کا طومار ہو۔

نیچرل ترجمہ: وہ جس میں خوگیر کی بھرتی ہو، دہقانی جنات اور وہمی شیاطین کی بولیاں ہوں، اجنبی زبان میں مہمل تاویلیں ہوں اور اس پر ہم چو من دیگرے نیست کی احمقانہ صدائیں۔

نیچرل تعلیم: الحاد و دہریت کی تربیت، خدا کے وجود سے انکار، پیغمبری سے بے خبری۔

نیچرل شریعت: خانہء خدا کی توہین متقدمین پر استہزا، صوم و صلوٰۃ پہ قہقہہ، پیغمبران پر مضحکہ، معجزات سے انکار، نواہی پر اصرار، عقل و فہم پر ایمان بل کہ جان و دل قربان۔

نیچرل زندگی: آزاد محض، کسی مذہب و ملّت کا پابند نہیں بہ وقت ضرورت سب درست۔

نیچرل مُلّا: نیمے دروں، نیمے بروں، نہ نیچرم نہ مسلمان نہ صوفیم نہ جہود یعنی معجون مرکب، ہر رنگ میں شرابور، جو اس پر تھی نہ وہ سمجھے تو پھر اس سے خدا سمجھے۔

نیچرل شمس العلما: لکھے نہ پڑھے نام مُلا فاضل، چار پائے بر دکتابے چند۔

نیچرل زکوٰۃ: اسپیکروں کی شکم پروری، واعظوں کی حلال خوری۔

نیچرل تہذیب: ابو میاں کو اولڈ فیشن کا خطاب ہو، فول مین کا القاب ہو، ان کے ملنے سے حجاب ہو۔

نیچرل ترقی: مالِ مفت کی تلاش، نصف الی نصف الگ پر ہم خیالوں کی جستجو، ریفارمری کا ادعا، آنسو بہانے میں یکتا، جدت کا فریفتہ، اجتہاد کا شیفتہ، ریفارمیشن کا قائم کرنے کا دل دادہ، مٹھی گرمانے کا شیدا۔

نیچرل لباس: جاکٹ [جیکٹ]، پتلون، کوٹ، ہیٹ وغیرہ

نیچرل غذا: وہسکی، برانڈی، منتخقہ مرغی [گردن مروڑی مرغی] (۲۵)

اسی طرح ۱۸، اگست ۱۹۰۴ء کے شمارے میں بھی حالیؔ کے آل نامے کی نقل کرتے ہوئے یہ "لغت" شایع کی گئی:

الاسلام: شراب خوری، سود خوری، میم بازی، تاش بازی، فٹ بال، میچ بازی وغیرہ۔

الاتحاد: انعقاد جلسہ، تحصیل چندہ، بر کردن دامن وجیب از روپیہ وتر کردن دہن از پلاؤ و قورمہ

الاجلاس: اجتماعی جانوراں، در میدان لکچر، تحریک لب وزبان مثل دم سگ وفادار الجھخ والپاخ متل صحیح اکمار۔

الاسپیچ: خوش آوازی، خوش کلامی، خوش غلافی، منہ چکنا پیٹ خالی

"پیر نیچر" سے وابستگی کا صلہ حالیؔ کو مندرجہ بالا الفاظ کی شکل میں ملا جس طرح نیچرل شاعری اور متعلقات کا مذاق اڑایا گیا ہے، وہ اس اقتباس میں ملاحظہ کیا جا سکتا تھا۔ حالیؔ پر صرف نیچرل شاعری کا اعتراض صادر نہیں ہوا تھا بل کہ حالیؔ کے ایک ایک لفظ اور ایک سطر پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی۔ علاوہ ازیں حالیؔ کی غزل، قطعات، رباعیات، مسدس، ترکیب بند الغرض جس جس صنفِ سخن میں حالیؔ نے طبع آزمائی کی تھی؛ سب کو نشانہ بنایا گیا۔ اب ایک اور مثال م۔ب علیہ الرحمۃ کی ہے جو حالیؔ کے کلام پر ظریفانہ وطنزیہ تبصرہ کر رہے ہیں:

"حالیؔ صاحب نہ تو زبان دان ہیں اور نہ شاعر مانے جاتے ہیں، ان کا کلام جزو کل شاعری کے عیوب سے بھرا ہوتا ہے اور زبان دانی کے کف دست میدان میں وہ ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ بعض اوقات تو بے چارے بھر بھرا کے اوندھے منھ گر پڑتے ہیں؛ جیسا کہ اشعار ذیل سے معلوم ہو جائے گا:

اس کی سرحد میں غلاموں نے جو نہی رکھا قدم اور کٹ کر پاؤں سے اک اک کی بیڑی گر پڑی

اس شعر پر یہ اعتراض کیا گیا کہ "جو ہیں" کے ساتھ اور "بالکل خلافِ محاورہ ہے۔ اسی طرح ایک اور غزل کے درج ذیل شعر پر بھی اعتراض ملاحظہ ہو:

ابر و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ دیکھیے برسے گا یا برسائے گا

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ برق سے پانی برستا ہی ہے جتنے زبان دان ہیں سب برق کو برسنے کے واسطے باندھتے ہیں؛ واہ؟ اسی طرح ایک اور شعر ہے:

عالم میں آج کل جو مانے ہوئے ہیں دانا قانون ہے بنایا یہ ان مقننوں نے

"مانے ہوئے" مفعول کے ساتھ، مانے ہوئے کیا خوب؟ غرض کہ کہاں تک لکھا جائے؟ پورا دیوان غلطیوں سے بھرا ہے جو شخص ایک شعر بھی صحیح نہیں کہہ سکتا، اس کو ساتویں آسمان پر چڑھا دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ دلّی کچھ خراد تو ہے نہیں کہ جنم تو پانی پت میں لیا اور دلّی میں رہنے سے ترش ترشا کے شاعر ہو گئے۔"(۲۶)

اسی طرح حالی کی ایک نظم ہے "تحفتہ الاخوان" جو حالی نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سولہ ویں اجلاس منعقدہ دہلی میں پڑھی تھی۔ یہ ایک ترکیب بند نظم تھی جس پر "لائیٹ پوئٹ آف انڈیا" نے "قومی نوحہ خواں پر سرسری نظر" کے عنوان سے درج ذیل اعتراضات کیے:

"ہمارے مولوی حالی شاعری کے بحر ذخار ہیں، بجائے اس کے کہ ایک اعلا درجہ کے ماہر فن تیراک سمجھے جائیں، بالکل مرفوع القلم ہیں..... مجھ کو زیادہ تر افسوس اس بات کا ہے کہ وہ شخص جس نے ترقی قوم کا بیڑا اٹھایا ہے اور قوم کی حالت خواہ وہ بُری ہو یا بھلی، اپنی دردناک آواز میں سناتا رہا ہو، اس نے خود کوئی ترقی اس وقت تک نہیں کی اور اگر کی بھی تو معکوس، جس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ شاعری کی جس قدر مشق کی جائے، اسی قدر ترقی کرتی ہے، فصاحت، بلاغت، دن بدن کثرتِ مشق سے بڑھتی جاتی ہے مگر مولانا کے یہاں برعکس، مسدس جس نے مولانا علیہ الرحمتہ کو بامِ شہرت تک پہنچا دیا دیوان سے ہزار درجہ اچھا ہے..... اور جس قدر نظمیں لکھی ہیں، وہ دیوان سے بھی زیادہ خراب حالت میں نظر آتی ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ نظمیں بیش بہا موتیوں کا ہار ہوں بدنما اور خراب پوت کی لڑیاں نظر آتی ہیں۔ اِس نظم کے پہلے بند پر جو غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے، وہ پیشِ خدمت ہے:

دوستو! انکار اگر تم کو ہدایت کا نہیں　　عالمِ اسباب ہے دنیا اسے جانو یقین

واہ حضرات پہلی ہی بسم اللہ غلط "ہدایت کا نہیں" یہ کہاں کا محاورہ ہے؟ بول چال میں تو "ہدایت سے نہیں" بولتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بہ ضرورت شعر لائے ہیں تو کیا "سے" شعر موزوں نہ ہو گا۔ "جانو یقین" نہیں بولتے؛ "مانو یقین" ہو سکتا ہے کیوں کہ یقین کرنا، یقین ماننا بولتے ہیں نہ کہ یقین جاننا، اگر آپ مانو کہتے تو کیا نقصان تھا؟ مگر کہتے ہی کیوں؟ آپ تو اردو زبان کو پانی پت کی سنگلاخ زمین پر دوڑانا چاہتے ہیں نہ کہ لکھنؤ اور دہلی کی ٹھنڈی سڑک پر ہوا کھلانا۔ بادی النظر میں جو غلطیاں واضح تھیں وہ مختصراً ہدیہ ءناظرین کیں۔ یوں تو نظم غلطیوں سے مرصّع ہے مگر میں اتنے ہی پر اکتفا کر کے انصاف پسند حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایسی نظمیں زبان کو ترقی دیں گی اور زبان کا اعلا جوہر مانی جائیں گی اور اسی بول چال اور فصاحت پر کہا جاتا ہے کہ اردو زبان پنجاب میں پہنچ گئی اور پنجابی اسے ترقی دے رہے ہیں، سستی کتابیں، کم قیمت اور بہ کثرت رسالے زبان اردو میں نکال دینا اور بات ہے اور زبان کی ترقی فصیح و بلیغ الفاظ میں دینا جس کو خاص و عام قبول کر لیں اور بات ہے..... غلط محاورے، بے معنی لفظوں کے استعمال، اس کے قدیم جوہرِ بلاغت و فصاحت کو مٹا کر اس کو بالکل تبدیل کر دیں گے اور آئندہ چل کر وہ زبان نہ اردو ہی رہے گی اور نہ وہ کہ جو آج کل پنجابی یا مولانا حالی بولتے ہیں کہ ایک نئی زبان ہو جائے گی جس کے سمجھنے کے لیے وہی کتابیں کارآمد ہوں گی جو اس زمانے کی تصنیف ہوں۔" (۲۷)

حالیؔ کی رُباعیات کو رحمت اللہ رعدؔ نے مرتب کر کے کان پور سے شایع کیا تو اس پر اودھ پنچ میں اس عنوان کے تحت تبصرہ کیا گیا: "رباعیاتِ حالی، لطافت سے خالی اور حضرت رعدؔ کی تعریف خیالی" جب رباعیات کی شاعری پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بعینہٖ یہی عالم نظر آتا ہے کہ کسی کریہہ منظر ہفتادر سالہ بڑھیا کو نئی نویلی دلہن کا لباس اور زیور پہنا دیا ہے۔ ایک رباعی تمثیلاً یہ ناظرین کی جاتی ہے:

دھونے کی ہے اے ریفار مر جا باقی کپڑے پہ ہے جب تلک دھبّا باقی
دھو شوق سے کپڑے کو پہ اتنا نہ رگڑ دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

جو لوگ مولانا حالیؔ کی شاعری پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ وہی ایمان سے کہیں کہ جس کی ایک رُباعی میں یوں گودڑ لپیٹا ہو، وہ کس رُخ سے نیچہ بند نہیں شاعر ہے۔ فصاحت ایسی کہ چار مصرعوں میں چار جگہ کپڑوں کا عارضہ موجود ہے۔ رباعی کیا ہے؟ پیپر مل کی گودڑ کی ہانڈی یا دھوبی کی لادی ہے۔ ترکیبِ الفاظ ایسی بانکی کہ باید و شاید۔ خصوصاً رگڑ کا لفظ تیسرے مصرع میں لطافت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ تلازمہ اور استعارہ ایسا نفیس کہ معلوم ہوتا ہے کہ چرکینؔ کے دیوان سے رُباعی نقل کی گئی۔ افسوس تو یہ ہے کہ ایسی رباعیوں کی تعریف میں حضرت رعدؔ کڑک کر فرماتے ہیں کہ یہ رباعیاں عمر خیام کی رباعیوں سے زیادہ کارآمد ہیں۔ رباعیات کی اور خوبیاں بیان کی ہیں جن کو شاعری سے ایسا تعلق ہے جیسا اونٹ کو عرق گاؤ زبان سے(۲۸) ۔ اس کے علاوہ مولانا حالیؔ کی رباعیات کی طرز پر اودھ پنچ میں لکھنے والوں نے کئی رباعیاں تخلیق کیں۔ مثلاً مرزا لابالی کی ایک رباعی درج ذیل ہے:

روشن خیال قوم کے ہیں گویا جگنو تاریکی پہ ان کا رات دن ہلا ہے
لڑ کے کریں کیوں نہ انھیں انگشت نما ان میں نئی روشنی کا دم چھلا ہے(۲۹)

حضرت دم بازؔ نے بھی ایک رباعی تخلیق کی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

ہشیار اے قوم خوابِ غفلت کب تک یہ سُستی و کاہلی و حسرت کب تک
ہے وقت نیا اٹھو، اٹھو بہرِ خدا چھوڑو چھوڑو پرانی عادات کب تک

جب کہ "ذوالتا افنان" نے اپنے رُباعی میں کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا:

جاتا ہے پرانا عہد تسلیم کرو آیا ہے نیا زمانہ تعظیم کرو
منظور ہے گر ترقیِ نسل تمھیں بچوں کے لیے اصولِ تعلیم کرو(۳۰)

مسدس کی اشاعت پر اودھ پنچ کا حملہ شدید نوعیت کا تھا۔ حالیؔ نے مسدس میں چوں کہ ہر ایک زوال آمادہ کردار کو بے نقاب کیا تھا؛ اس لیے سب حالیؔ سے سخت ناراض تھے۔ اس ناراضی کا اظہار انھوں نے مسدس کے جوابات دے کر کیا۔ کسی نے خالی، کسی نے خیالی، کسی نے عبرت کے نام سے جواب لکھا تو ایک صاحب

موسوی عصا بن کر سامنے آئے۔ حضرت خالی مسدسِ حالیؔ کے متعلق کہتے ہیں کہ جمعے کے دن ایک کتاب فروش کی دکان پر گیا تو دیکھا کہ سکول اور کالج کے لڑکے مسدسِ حالی کو خرید کر خوش ہو رہے ہیں اور آپس میں گفت گو بھی کر رہے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ مسدّس میں حالیؔ نے جغرافیہ بیان کر دیا ہے، اس لیے اب انٹرنس کے امتحان میں پاس ہونے کے لیے صرف مسدس کا پڑھ لینا کافی ہے تو ایک طالب علم کہہ رہا ہے کہ مولانا حالی نے تاریخِ یونان و تاریخِ روم پڑھنے سے بے گانہ کر دیا ہے۔ کسی نے اس کی صفائی تعریف کی تو کوئی اس کے عام فہم ہونے کے قصیدے بیان کر رہا تھا۔ جب حضرت خالی نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب ملا کہ مسدس حالیؔ ہے اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ چھے مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ اشتیاق بڑھا تو مسدس خرید لی اور دو چار بند پڑھے تو کیا کیفیت طاری ہوئی؟ سنیے:

> "متلی آنے لگی۔ کسی گویّے کی کھوٹی اکھاڑ تان سنی تھی مگر واللہ کو ٹھی اکھاڑ مسدّس نہیں سنا تھا۔ بعض بند تو بالکل سانپ کی جھاڑ اور بچھو کے منتر ہیں..... اگر کوئی شخص اس مسدس کو چالیس مرتبہ پڑھے تو یقیناً پاگل ہو جائے۔" (۳۱)

حضرت خالی نے پھر اس مسدس کا جواب لکھا اور اس جواب میں حالیؔ کو اور حالیؔ کی شاعری کو خوب نشانہ بنایا۔ دو بند درج ذیل ہیں:

ہوئے ساتھ کالج کے لڑکے تو چھانٹا جو لوٹا تھا کھٹمل وہ کیوبا میں بانٹا
چبھا جب برازیل میں اس کو کانٹا بڑے زور سے بھائی شاعر کو ڈانٹا
نہ نظمِ مرصع، نہ ہے نثر عاری انوکھی یہاں شاعری ہے تمھاری
طریقہ جو آبائی تھا سب کو چھانڈا لگایا بس انگلینڈ سے اپنا ڈانڈا
پڑا عقل پر حرصِ بے جا کا کھانڈا رہا حرفِ کھرچن، نہ حلوا نہ مانڈا
ہوئے تم نہ ناسخؔ بنے تم نہ ملٹن رہے پانی پت ہی میں گوپال ٹھن ٹھن (۳۲)

اودھ پنچ میں لکھنے والوں میں ایک صاحب "میر عبرت" تھے جنھوں نے "آئینہ حیرت" کے نام سے اردو کے عناصر اربعہ [حالی، شبلی، سرسید اور نذیر احمد] پر تنقید کرتے ہوئے مخمس لکھا جس میں حالیؔ کے متعلق لکھتے ہیں:

حالیؔ کو ناز تھا مسدس پر — لیک دیکھا تو محض پوچ و لچر
لکھ دیا میں نے ان سے بھی بڑھ کر — رہ گئے جس کو دیکھ سب ششدر
کیوں کہ روح القدس ہے میرے ساتھ
گرچہ استاد ہیں مرے حالیؔ — لیک رکھتا ہوں طبع وہ عالی

ہمہ ضعف بے پر و بالی دو ہی پنجوں میں جیت لی پالی
کیوں کہ روح القدس ہے میرے ساتھ (۳۳)

مرزا الا بالی باقیوں سے کیسے پیچھے رہ سکتے تھے؟ اس "کارِ خیر" میں انھوں نے بھی اپنا حصہ "شاعری" کی شکل میں ڈالا جو مخمس کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ ہر بند کے آخر میں یہ مصرع ٹانکا گیا ہے:

حالیؔ نے شاعری میں وہ دھبا لگا دیا

اس دھبے کی تشریح کرتے ہوئے ۸۱ بند لکھے گئے اور حالیؔ کے اس "دھبے" کو بد نما اور خراب ثابت کرنے کے لیے تمام فنی صلاحیتیں صرف کر دیں مگر حالیؔ کے افکار و نظریات ان حملوں سے ماند نہ پڑے۔

اکبرؔ الٰہ آبادی نے حالیؔ کی افادیت پسندی اور جدید خیالات کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا:

"ہمارے مولانا حالی صاحب بھی کسی زمانے میں اچھے شاعر تھے لیکن حضرت نے اب حسنِ خیال کی دھن میں محسنِ زبان سے قطع نظر کی ہے اور حسنِ خیال کو اس قدر روندا ہے کہ حسن جاتا رہا اور خیال ہی خیال رہ گیا ہے۔" (۳۴)

حالیؔ کے خلاف اودھ پنچ کی معرکہ آرائی نے اردو طنز و مزاح کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو مزاح و طنز نگاری کی روایت نے استحکام پکڑا۔ بہر حال حالی کی فکر کا ردِ عمل جو اودھ پنچ نے دیا، وہ اردو ادب میں طنزیہ و مزاحیہ اسلوب کی بہترین مثال ہے لیکن اودھ پنچ کو بھی آخر کار حالیؔ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا پڑا؛ اور یہ کہنا پڑا:

عیب حالیؔ کے بہت تم نے گنائے اے پنچ اشک شوئی کرو، دو چار ہنر بھی دیکھو (۳۵)

اودھ پنچ نے جس طرح خبروں پر طنزیہ و مزاحیہ آرا کا سلسلہ شروع کیا، اس کا بھرپور اتباع کیا گیا اور اودھ پنچ کی طرز پر کئی "پنچ" ہندوستان کے طول و عرض میں اشاعت پذیر ہوئے۔ اودھ پنچ کے اثرات آج تک اردو اخبارات میں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ آج کے اخبار بھی اودھ پنچ کی طرح خبروں پر طنزیہ و مزاحیہ تبصرہ کرتے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ شفقت رضوی، پروفیسر، اودھ پنچ اور پنچ نگار (کراچی؛ اودھ ادبی اکیڈمی، ۱۹۹۵ء)، ص: ۱۰ *

۲۔ کشن پرشاد کول، پنڈت، گلدستۂ پنچ (لکھنو: ۱۹۱۵ء)، ص ۴ *

۳۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، (لاہور؛ گلوب پبلشرز، ۱۹۹۳ء) ص: ۵۱۶۔۵۱۷ *

۴*۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف جن کا اصل نام مرزا محمد مرتضیٰ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں شعر و سخن کی طرف متوجہ ہوئے اور نسیمؔ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ ان کے تحریری کارناموں میں ایک ضخیم دیوان، چشمۂ بصیرت، گل زارِ نجات، میلاد شریف، نیرنگِ خیال [مثنوی]، آفتاب قیامت اور لغت کی کتاب "بہار ہند" شامل ہے۔ لکھنوی زبان اور محاورات کی تحقیق میں ان کا نام صفِ اوّل میں شامل ہے جس کا ثبوت "بہارِ ہند" لغت ہے۔

۵۔ حسرتؔ موہانی، تذکرۃ الشعرا، مرتبہ شفقت رضوی، کراچی:؛ ادارہ یادگارِ غالب، ۱۹۹۹ء، ص ۳۶۸ *

*۶۔ جوالا پرشاد ان کا اصل نام اور برقؔ ان کا تخلّص تھا۔ ۱۲، اکتوبر ۱۸۶۳ء کو سیتاپور کے محمدی نام کے قصبے میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ وکالت کی پھر منصف کے عہدے پر فائز ہوئے اور موت تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ اردو زبان اور شاعری کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں پہلا مضمون "کائستھ سماچار" میں شائع ہوا۔ اودھ پنچ میں "فسانۂ آزاد" خاص طور پر پڑھتے تھے تاکہ زبان و محاورہ سیکھا جاسکے۔ لکھنؤ میں آئے تو منشی سجاد حسین سے ملاقات ہوئی اور ان کے کہنے پر "اودھ پنچ" میں منظومات و مضامین لکھے۔ "بہار" نام کی ان کی مثنوی ان کی شاعرانہ کی خصوصیات کی عکاس ہے۔ اس کے علاوہ بنگالی زبان کے ناولوں کا اردو ترجمہ کیا جن میں: "بنگالی دلہن، پرتاپ، مار آستین اور روہنی شامل ہیں۔ شیکسپیئر کے تقریباً دس ڈراموں کا لفظی ترجمہ بھی کیا۔

۷۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجرؔ کا اصل نام پنڈت تربھون ناتھ سپرو اور ہجرؔ تخلص تھا۔ آپ کے والد پنڈت بشمبر ناتھ بھی شاعر تھے اور صابرؔ تخلص کرتے تھے۔ تحصیل چنیا میں پیدا ہوئے۔ ایف اے کے بعد تعلیم سے ناطہ توڑ لیا اور گونڈہ میں سکونت اختیار کی۔ بیماری کی وجہ سے پھر فیض آباد آئے اور ۳۹ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ آپ شاعری بھی کرتے تھے اور ہیئت میں مسدس ان کی پسندیدہ صنفِ سخن تھی۔ ان کی کئی نظمیں: کچھا چٹھا، نوحۂ کشمیر، فغان کشمیر بہت مشہور ہوئیں۔

۸ ۔نواب سید محمد آزاد ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے استاد مشہور عالم و فاضل شخصیت آغا احمد علی اصفہانی تھے جن کی غالبؔ سے قلمی معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ کلکتہ میں "سب رجسٹرار" کی ملازمت سے آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن کے عہدے پر پہنچ گئے اور پنشن حاصل کی۔ شروع میں لکھنؤ کے اخبار "اودھ اخبار" میں مضامین لکھے۔ اس کے بعد "اودھ پنچ" کے لیے لکھنا شروع کر دیا۔

۹* ۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی، انگریزی اور اردو زبانوں سے واقف تھے۔ "فسانہء آزاد" آپ کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ کثیر التصانیف شخصیت تھے۔ ان کی تصانیف میں: فسانہء آزاد، سیر کوہسار، جامِ سرشار، کامنی، خدائی فوج دار، کڑم دھم، بچھڑی دلہن، ہُشو، طوفانِ بدتمیزی وغیرہ شامل ہیں۔ سرشار کی تصانیف سیر کہسار، جامِ سرشار، کامنی اور خدائی فوج دار بہت مشہور ہیں۔

۱۰۔ مصباح الحسن قیصر، سید ڈاکٹر، معاونین اودھ پنچ، (لکھنؤ؛ ۱۹۵۴ء، س۔ن) ص: ۳۱۱ *

۱۱۔ الطاف حسین حالیؔ، مولانا دیوانِ حالی، (لاہور؛ مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۰ء)، ص: ۱۴۱ *

۱۲۔ اکبر الہ آبادی، کلیاتِ اکبر، جلد اول (دہلی: یونین پرنٹنگ پریس، س۔ن) ص: ۲۳۷ *

۱۳۔ الطاف حسین حالیؔ، مولانا، مقدمہ شعر و شاعری (لاہور؛ خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۱ء) ص: ۵۹۳۔۵۹۵ *

۱۴۔ الطاف حسین حالیؔ، مولانا، مسدس حالی (دہلی؛ مکتبہ جامعہ ملیہ، س۔ن) ص: ۵۸ *

*۱۵۔ وہ قطعہ درج ذیل ہے:

شعر کی طرف خطاب

اے شعر دل فریب نہ ہو تو کچھ غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام۔۔۔۔۔
ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں
تحسینِ روزگار سے ہے بے نیاز تو
حسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہاں کو۔۔۔
جو قدرداں ہو اپنا اسے مغتنم سمجھ
حالی کو تجھ پہ ناز ہے کر اس پہ ناز تو

(مولانا الطاف حسین حالیؔ، دیوانِ حالی، ص: ۱۸۔۱۹)

۱۶۔ کشن پرشاد کول، پنڈت، گلدستہ پنچ، ص: ۱۳۱ *

۱۷۔ ناطق لکھنوی، حکیم، نظم اردو، (لکھنو؛ ظفر المطابع، ۱۹۴۰ء) ص: ۱۱۰ *

۱۸۔ ریاض الاخبار (گورکھ پور، جلد ۴، نمبر ۴۲۔۲۵، جون ۱۸۸۴ء) ص: ۵ *

۱۹۔ ریاض الاخبار (گورکھ پور؛ جلد ۳۰ نمبر ۲۸، ۸ جنوری ۱۹۰۵ء) ص: ۲ *

۲۰۔ اودھ پنچ، (لکھنؤ: جلد بست و نہم، ۷ ستمبر ۱۹۰۵) ص: ۴ *

۲۱۔ اکبر آلہ آبادی، کلیاتِ اکبر، جلد اول، ص: ۱۶۲ *

۲۲۔ اسد ملتانی، پانی پت کی چوتھی لڑائی، مشمولہ معارف (اعظم گڑھ؛ جلد ۳۷، شمارہ نمبر ۱، بابت جنوری ۱۹۳۶ء)، ص: ۷۲۔ ۷۳ *

۲۳۔ محمد اسماعیل پانی پتی، تذکرہ ءحالی، ص: ۱۹۸۔ ۲۰۰ *

۲۴۔ وجاہت صدیقی جھنجھانوی، اودھ پنچ، (لکھنؤ: جلد بست ہفتم ۲۷، شمارہ نمبر ۴۱، ۸۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء) *

۲۵۔ ابوالمجد دیسنوی بہاری، حکیم، اودھ پنچ، (لکھنؤ؛ جلد بست وہشتم، شمارہ نمبر ۲۹، ۵۲ دسمبر ۱۹۰۴ء)، ص: ۵ *

۲۶۔ اودھ پنچ، (لکھنؤ؛ جلد بست وہشتم، شمارہ: ۱۸، ۱۳ اگست ۱۹۰۴ء) ص: ۵ *

۲۷۔ اودھ پنچ، (لکھنؤ؛ جلد بست وہشتم، شمارہ نمبر ۲۲، ۲ جون ۱۹۰۴ء)، ص: ۷ *

۲۸۔ اودھ پنچ، (لکھنؤ؛ جلد پانزدھم، شمارہ نمبر ۴، ۲۲ جنوری ۱۸۹۱ء)، ص: ۱۷ *

۲۹۔ اودھ پنچ، (لکھنو؛ جلد بست وپنجم، شمارہ نمبر ۲۹، ۳/ اکتوبر ۱۹۰۱ء) ص: ۲ تا ۹ *

۳۰*۔ اودھ پنچ (لکھنو؛ جلد بست وپنجم، شمارہ نمبر ۳۹، ۳، اکتوبر ۱۹۰۱ء) ص: ۲ تا ۹

۳۱۔ اودھ پنچ، (لکھنؤ؛ جلد بست وششم، شمارہ نمبر ۱۲، ۲۷ مارچ ۱۹۰۲ء) ص: ۲ *

۳۲۔ اودھ پنچ، ۷ جولائی ۱۸۹۸ء، ص: ۲ *

۳۳۔ عبدالقیوم، ڈاکٹر، حالی کی نثر نگاری (لاہور؛ مجلس ترقی ادب، طبع اول، دسمبر ۱۹۶۴ء)، ص: ۵۶۲ *